اسلام میں مرتد کا حکم

کیا حکومت اسلامی میں تبلیغ کفر کی اجازت ہے؟

مجرد مذہب اور مذہبی ریاست کا بنیادی فرق گذشتہ صفحات میں ہم نے قتلِ مرتد پر اعتراض کرنے والوں کے جو دلائل نقل کیے ہیں اور ان کے جواب میں اپنی طرف سے جو دلائل پیش کیے ہیں ان کا مقابلہ کرنے سے ایک بات بالکل واضح طور پر نظر کے سامنے آجاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ معترضین مرتد کی سزا پر جتنے اعتراض کرتے ہیں محض ایک "مذہب" کو نگاہ میں رکھ کر کرتے ہیں، اور اس کے برعکس ہم اس سزا کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے جو دلائل دیتے ہیں ان میں ہمارے پیشِ نظر مجرد "مذہب" نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسا اسٹیٹ ہوتا ہے جو کسی خاندان یا طبقہ یا قوم کی حاکمیت کے بجائے ایک دین اور اس کے اصولوں کی حاکمیت پر تعمیر ہوا ہو۔ جہاں تک مجرد مذہب کا تعلق ہے، ہمارے اور معترضین کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایسا مذہب مرتد کو سزا دینے کا حق نہیں رکھتا جب کہ سوسائٹی کا نظم و نسق اور ریاست کا وجود عملاً اس کی بنیاد پر قائم نہ ہو ——— جہاں اور جن حالات میں اسلام فی الواقع ویسے ہی ایک مذہب کی حیثیت رکھتا ہو جیسا کہ معترضین کا تصورِ مذہب ہے، وہاں ہم بھی مرتد کو سزائے موت دینے کے قائل نہیں ہیں۔ فقہ اسلامی کی رو سے محض ارتداد کی سزا ہی نہیں، اسلام کے تعزیری احکام میں سے کوئی حکم بھی ایسے حالات میں قابلِ نفاذ نہیں ہوتا جبکہ اسلامی ریاست (یا باصطلاحِ شرع "سلطان") موجود نہ ہو ——— لہٰذا مسئلہ کے اس پہلو میں ہمارے اور معترضین کے درمیان بحث خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ اب قابلِ بحث صرف دوسرا پہلو رہ جاتا ہے یعنی یہ کہ جہاں مذہب خود حاکم ہو، جہاں مذہبی قانون ملکی قانون ہو، اور جہاں مذہب ہی نے امن و انتظام کے برقرار رکھنے کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہو، آیا وہاں بھی مذہب ایسے لوگوں کو سزا دینے کا حق رکھتا ہے یا نہیں جو اس کی اطاعت و وفاداری کا عہد کرنے کے بعد اس سے پھر جائیں؟ ہم اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں۔ کیا ہمارے معترضین کے پاس اس کا جواب نفی میں ہے؟ اگر نہیں

تو اختلاف بالکل ہی دور ہوا جاتا ہے، اور اگر ہے تو ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس پر انھیں کیا اعتراض ہے اور کیا ان کے دلائل ہیں؟

ریاست کا قانونی حق یہ ایک الگ بحث ہے کہ آیا مذہبی ریاست بجائے خود صحیح ہے یا نہیں۔ چونکہ اہل مغرب کی پشت پر پاپا یانِ روم کی ایک المناک تاریخ ہے جس کے زخم خوردہ ہونے کی وجہ سے وہ مذہبی ریاست کا نام سنتے ہی خوف سے لرز اُٹھتے ہیں اس لیے جب کبھی کسی ایسی چیز کے متعلق انھیں گفتگو کا اتفاق ہوتا ہے جس پر "مذہبی ریاست" ہونے کا گمان کیا جا سکتا ہو (اگرچہ اس کی نوعیت پاپائی سے بالکل مختلف ہی کیوں نہ ہو) تو جذبات کا ہیجان ان کو اس قابل نہیں رہنے دیتا کہ بیچارے اس پر ٹھنڈے دل سے معقول گفتگو کر سکیں۔ رہے ان کے مشرقی شاگرد تو اجتماعی و عمرانی مسائل پر ان کا سرمایۂ علم جو کچھ بھی ہے مغرب سے مستعار لیا ہوا ہے اور یہ اپنے استادوں سے صرف ان کی معلومات ہی ورثہ میں حاصل نہیں کرتے بلکہ میراث علمی کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات، رجحانات اور تعصبات بھی لے لیتے ہیں اس لیے قتل مرتد اور اس نوعیت کے دوسرے مسائل پر جب بحث کی جاتی ہے تو خواہ اہل مغرب ہوں یا اُن کے مشرقی شاگرد بالعموم دونوں ہی اپنا توازن کھو دیتے ہیں اور اصل قانونی و دستوری سوال کو اُن بحثوں میں الجھانے لگتے ہیں جو مذہبی ریاست کے بذاتِ خود صحیح یا غلط ہونے کی بحث سے تعلق رکھتے ہیں۔ حالانکہ اگر بالفرض اسلامی ریاست انھی معنوں میں ایک "مذہبی ریاست" ہو جن معنوں میں اہل مغرب اسے لیتے ہیں، تب بھی اس مسئلہ میں یہ بحث بالکل غیر متعلق ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ جو ریاست کسی خطۂ زمین پر حاکمیت رکھتی ہو، آیا وہ اپنے وجود کی حفاظت کے لیے ایسے افعال کو جرم قرار دینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں جو اس کے نظام کو درہم برہم کرنے والے ہوں؟ اس پر اگر کوئی معترض ہو تو وہ ہمیں بتائے کہ دنیا میں کب ریاست نے یہ حق استعمال نہیں کیا ہے اور آج کونسی ریاست ایسی ہے جو اس حق کو استعمال نہیں کر رہی ہے۔ اشتراکی اور فاشسٹ ریاستوں کو چھوڑیے، اُن جمہوری ریاستوں ہی کو دیکھ لیجیے جن کی تاریخ اور جن کے نظریات سے موجودہ زمانہ کی دنیا نے جمہوریت کا سبق سیکھا ہے اور جن کو آج جمہوری نظام کی علمبرداری کا شرف حاصل ہے، کیا یہ اس حق کو استعمال نہیں کر رہی ہیں؟

انگلستان کی مثال مثال کے طور پر انگلستان کو لیجیے۔ انگریزی قانون جن لوگوں سے بحث کرتا ہے وہ دو بڑی قسموں

پر تقسیم ہوتے ہیں: ایک برطانوی رعایا (British subjects)۔ دوسرے اغیار (Allies)۔ برطانوی رعایا کا اطلاق اولاً ان لوگوں پر ہوتا ہے جو برطانوی حدود کے اندر یا باہر ایسے باپوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہوں جو تنہا برطانیہ کی اطاعت و وفاداری کے ملتزم ہوں)۔ یہ فطرۃً پیدائشی رعایائے برطانیہ (Natural born British Subjects) کہلاتے ہیں اور ان کو آپ سے آپ اطاعت و وفاداری کا ملتزم قرار دیا جاتا ہے بغیر اس کے کہ انھوں نے بالارادہ شاہ برطانیہ کی وفاداری کا حلف لیا ہو۔ ثانیاً یہ لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو پہلے اغیار میں سے تھے اور پھر چند قانونی شرائط کی تکمیل کے بعد انھوں نے شاہ برطانیہ کی وفاداری کا حلف لے کر برطانوی رعایا ہونے کا سٹرفکیٹ حاصل کر لیا ہو۔ رہے اغیار تو اس سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو کسی دوسری قومیت سے تعلق رکھتے ہوں اور کسی دوسرے اسٹیٹ کی وفاداری کے ملتزم ہوں مگر برطانوی مملکت کی حدود میں مقیم ہوں۔ ان مختلف قسم کے اشخاص کے متعلق انگریزی قانون کے حسب ذیل اصول قابل ملاحظہ ہیں:۔

۱۔ اغیار میں سے ہر شخص جو برطانوی رعایا ہونے کے لیے ضروری قانونی شرائط کی تکمیل کر چکا ہو، یہ اختیار رکھتا ہے کہ اپنی سابق قومیت ترک کر کے برطانوی قومیت میں داخل ہونے کی درخواست کرے۔ اس صورت میں سکرٹری آف اسٹیٹ اس کے حالات کی تحقیق کرنے کے بعد شاہ برطانیہ کی اطاعت و وفاداری کا حلف لے کر اسے برطانوی قومیت کا سٹرفکیٹ عطا کر دے گا۔

۲۔ کوئی شخص خواہ پیدائشی رعایائے برطانیہ ہو، یا باختیار خود برطانوی رعایا میں داخل ہوا ہو، از روئے قانون یہ حق نہیں رکھتا کہ مملکت برطانیہ کے حدود میں رہتے ہوئے کسی دوسری قومیت کو اختیار کرلے اور کسی دوسرے اسٹیٹ کی وفاداری کا حلف اٹھائے، یا جس قومیت سے وہ پہلے تعلق رکھتا تھا اس کی طرف پھر واپس چلا جائے۔ یہ حق اسے صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جبکہ وہ برطانوی حدود سے باہر مقیم ہو۔

۳۔ برطانوی حدود سے باہر مقیم ہونے کی صورت میں بھی رعایائے برطانیہ کا کوئی فرد (خواہ وہ پیدائشی رعیت ہو یا رعیت بن گیا ہو) یہ حق نہیں رکھتا کہ حالت جنگ میں برطانوی قومیت ترک کر کے کسی ایسی قوم کی قومیت اور کسی ایسے

اسٹیٹ کی وفاداری اختیار کرلے جو شاہ برطانیہ سے برسرِ جنگ ہو۔ یہ فعل برطانوی قانون کی رو سے غدرِ کبیر (High treason) ہے جس کی سزا موت ہے۔

۴۔ برطانوی رعایا میں سے جو شخص برطانوی حدود کے اندر یا باہر رہتے ہوئے بادشاہ کے دشمنوں سے تعلق رکھے اور ان کو مدد اور آسائش بہم پہنچائے یا کوئی ایسا فعل کرے جو بادشاہ کے دشمنوں کو تقویت پہنچانے والا یا بادشاہ اور ملک کی قوتِ حملہ و مدافعت کو کمزور کرنے والا ہو وہ بھی غدرِ کبیر کا مرتکب ہے اور اس کی سزا بھی موت ہے۔

۵۔ بادشاہ، ملکہ یا ولی عہد کی موت کے درپے ہونا یا اس کا تصور کرنا، بادشاہ کی رفیقہ یا اس کی بڑی بیٹی یا ولی عہد کی بیوی کو بے حرمت کرنا، بادشاہ کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا یا نشانہ تاکنا یا ہتھیار اس کے سامنے لانا جس سے مقصود اس کو نقصان پہنچانا یا خوف زدہ کرنا ہو، اسٹیٹ کے مذہب کو تبدیل کرنے یا اسٹیٹ کے قوانین کو منسوخ کرنے کے لیے قوت استعمال کرنا، یہ سب افعال بھی غدرِ کبیر ہیں اور ان کا مرتکب بھی سزائے موت کا مستحق ہے۔

۶۔ بادشاہ کو اس کے منصب، اعزاز یا القاب سے محروم یا معزول کرنا بھی جرم ہے جس کی سزا حبسِ دوام تک ہو سکتی ہے۔

ان سب امور میں بادشاہ سے مراد وہ شخص ہے جو بالفعل (De facte) بادشاہ ہو خواہ بالحق (De juhe) بادشاہ ہو یا نہ ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ قوانین کسی جذباتی بنیاد پر مبنی نہیں ہیں بلکہ اس اصول پر مبنی ہیں کہ قائم شدہ ریاست جس کے قیام پر ایک خطۂ زمین میں سوسائیٹی کے نظم کا قیام منحصر ہو، اپنے اجزائے ترکیبی کو انتشار سے بجبر روکنے اور اپنے نظام کو خرابی سے بچانے کے لیے طاقت کے استعمال کا حق رکھتی ہے۔ برطانوی قانون جنھیں "اغیار" کہتا ہے ان کی حیثیت تقریباً وہی ہے جو اسلامی قانون میں اُن لوگوں کی حیثیت ہے جو "ذمی" کہلاتے ہیں۔ "برطانوی رعایا" کا اطلاق جس طرح پیدائشی اور اختیاری رعایا پر ہوتا ہے اسی طرح اسلام میں بھی "مسلمان" کا اطلاق دو قسم کے لوگوں پر ہوتا ہے، ایک وہ جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوں، دوسرے وہ جو غیر مسلموں میں سے باختیار خود اسلام قبول کریں۔ برطانوی قانون بادشاہ اور شاہی خاندان کو صاحبِ حاکمیت ہونے کی حیثیت سے جو مقام دیتا ہے اسلامی قانون وہی حیثیت "دین"

کے بنیادی اصولوں کو دیتا ہے۔ پھر جس طرح برطانوی قانون برطانوی رعایا اور اغیار کے حقوق وواجبات میں فرق کرتا ہے اسی طرح اسلام بھی مسلم اور ذمّی کے حقوق وواجبات میں فرق کرتا ہے۔ جس طرح برطانوی قانون برطانوی رعایا میں سے کسی شخص کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ حدودِ مملکتِ برطانیہ میں رہتے ہوئے کسی دوسری قومیت کو اختیار کرے اور کسی دوسرے اسٹیٹ کی وفاداری کا حلف اُٹھائے یا اپنی سابق قومیت کی طرف پلٹ جائے، اسی طرح اسلامی قانون بھی کسی مسلم کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ دارالاسلام کے اندر رہتے ہوئے کوئی دوسرا دین اختیار کرے یا اس دین کی طرف پلٹ جائے جسے ترک کرکے وہ دینِ اسلام میں آیا تھا۔ جس طرح برطانوی قانون کی رو سے برطانوی رعایا کا وہ فرد سزائے موت کا مستحق ہے جو برطانوی حدود کے باہر رہتے ہوئے شاہ برطانیہ کے دشمنوں کی قومیت اختیار کرلے اور کسی دشمن سلطنت کی وفاداری کا حلف اٹھائے، اسی طرح اسلامی قانون کی رو سے وہ مسلمان بھی سزائے موت کا مستحق ہے جو دارالاسلام کے باہر رہتے ہوئے حربی کافروں کا دین اختیار کرلے۔ اور جس طرح برطانوی قانون ان لوگوں کو "اغیار" کے سے حقوق دینے کے لیے تیار ہے جنھوں نے برطانوی قومیت چھوڑ کر کسی برسرِ صلح قوم کی قومیت اختیار کرلی ہو اسی طرح اسلامی قانون بھی ایسے مرتدین کے ساتھ معاہد قوم کے کافروں کا سا معاملہ کرتا ہے جو دارالاسلام سے نکل کر کسی ایسی کافر قوم سے جاملے ہوں جس سے اسلامی حکومت کا معاہدہ ہو۔ اب یہ ہمارے لیے ایک ناقابلِ حل معمّا ہے کہ جن لوگوں کی سمجھ میں اسلامی قانون کی پوزیشن نہیں آتی ان کی سمجھ میں برطانوی قانون کی پوزیشن کیسے آجاتی ہے۔

امریکہ کی مثال برطانیہ کے بعد دنیا کے دوسرے علمبردارِ جمہوریت ملک، امریکا کے قوانین بھی اگرچہ تفصیلات میں کسی حد تک اس سے مختلف ہیں، لیکن اصول میں اس کے ساتھ پوری موافقت رکھتے ہیں۔ فرق بس یہ ہے کہ یہاں جو مقام بادشاہ کو دیا گیا ہے وہاں وہی مقام ممالک متحدہ اور ان کے دستور کو دیا گیا ہے۔ ممالکِ متحدہ کا پیدائشی شہری (Citizen) ہر وہ شخص ہے جو شہری کی اولاد سے پیدا ہوا ہو خواہ ممالکِ متحدہ کے حدود میں پیدا ہو یا ان سے باہر۔ اور اختیاری شہری ہر وہ شخص ہو سکتا ہے جو چند قانونی شرائط کی تکمیل کے بعد دستور ممالکِ متحدہ کے اصولوں کی وفاداری کا حلف اٹھائے۔ ان دونوں قسم کے شہریوں کے ماسوا باقی سب لوگ امریکی قانون کی نگاہ میں "غیر" ہیں اور امریکی قانون شہری اور اغیار کے حقوق

وواجبات کے درمیان وہی فرق کرتا ہے جو برطانوی قانون "رعیت" اور "اغیار" کے حقوق وواجبات میں کرتا ہے۔ ایک غیر شخص شہریت کی قانونی شرطیں پوری کرنے کے بعد ممالکِ متحدہ کا شہری بن جانے میں تو آزاد ہے مگر شہری بن جانے کے بعد پھر اسے یہ آزادی حاصل نہیں رہتی کہ ممالک متحدہ کے حدود میں رہتے ہوئے وہ اس شہریت کو ترک کرکے پھر اپنی سابق قومیت کی طرف پلٹ جائے۔ اور اسی طرح کسی پیدائشی شہری کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ ممالک متحدہ کے حدود میں کسی دوسری قومیت کو اختیار کرے اور کسی دوسرے اسٹیٹ کی وفاداری کا حلف اٹھائے۔ علیٰ ہذا القیاس شہریوں کے لیے غدر اور بغاوت کے قوانین ممالکِ متحدہ میں بھی انھی اصولوں پر مبنی ہیں جن پر برطانوی قوانینِ غدر وبغاوت کی اساس رکھی گئی ہے۔ اور یہ کچھ انہی دونوں سلطنتوں پر موقوف نہیں ہے بلکہ دنیا کے جس ملک کا قانون بھی آپ اٹھا کر دیکھیں گے وہاں آپ کو یہی اصول کام کرتا نظر آئے گا کہ ایک اسٹیٹ جن عناصر کے اجتماع سے تعمیر ہوتا ہے ان کو وہ منتشر ہونے سے بزور روکتا ہے اور ہر اس چیز کو طاقت سے دباتا ہے جو اس کے نظام کو درہم برہم کرنے کا رجحان رکھتی ہو۔

ریاست کا فطری حق | یہ ایک جداگانہ بحث ہے کہ ایک اسٹیٹ کا وجود بجائے خود جائز ہے یا نہیں۔ اس معاملہ میں ہمارا اور دنیوی ریاستوں (Secular states) کے حامیوں کا نقطۂ نظر بالکل مختلف ہے۔ ہمارے نزدیک خدا کی حاکمیت کے سوا ہر دوسری حاکمیت پر ریاست کی تعمیر ناجائز ہے اس لیے جو ریاست بجائے خود ناجائز بنیاد پر قائم ہو اس کے لیے ہم اس بات کو جائز تسلیم نہیں کرسکتے کہ وہ اپنے ناجائز وجود اور غلط نظام کی حفاظت کے لیے قوت استعمال کرے۔ اور اس کے برعکس ہمارے مخالفین الٰہی ریاست کو ناجائز اور صرف دنیوی ریاست ہی کو جائز سمجھتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک دنیوی ریاست کا اپنے وجود ونظام کی حفاظت میں جبر سے کام لینا عین حق اور الٰہی ریاست کا یہی فعل کرنا عین باطل ہے لیکن اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ قاعدہ اپنی جگہ عالمگیر مقبولیت رکھتا ہے کہ ریاست اور حاکمیت کی عین فطرت اس امر کی مقتضی ہے کہ اسے اپنے نظام کی حفاظت کے لیے جبر اور قوت کے استعمال کا حق حاصل ہو۔ یہ حق ریاست من حیث الریاست کا ذاتی حق (Inherent right) ہے اور اگر کوئی چیز اس حق کو باطل بناتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ جو ریاست اس حق سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہو وہ آپ ہی باطل پر قائم ہوئی ہو اس لیے کہ باطل کا قیام بجائے خود

ایک جرم ہے اور اگر وہ اپنے قیام کے لیے طاقت سے کام لیتا ہے تو یہ شدید تر جرم ہو جاتا ہے۔

کافر اور مرتد کے ساتھ مختلف معاملہ کیوں ہے؟ اکثر لوگوں کے لیے یہ سوال سخت الجھن کا موجب بن جاتا ہے کہ ابتداءً کافر ہونے اور اسلام سے مرتد ہو کر کافر بن جانے میں آخر کیا فرق ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ جو قانون ایک شخص کے ابتداءً کافر ہونے کو برداشت کر لیتا ہے اور اسے اپنے حدود میں امن کی جگہ عطا کرتا ہے وہ آخر اسی شخص کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد پھر کافر ہو جانے کو اور ایک پیدائشی مسلمان کے کفر اختیار کر لینے کو کیوں برداشت نہیں کرتا؟ پہلی قسم کے کافر کا کفر اس دوسری قسم کے کافر کے کفر سے اصولاً کیا اختلاف رکھتا ہے کہ وہ تو قانون کی نگاہ میں مجرم نہ ہو اور یہ مجرم ہو، اُس کو ذمی بنا کر اس کی جان و مال کی حفاظت کی جائے اور اسے زندگی کے جملہ حقوق سے محروم کر کے دار پر چڑھا دیا جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نہ ملنے والے اور مل کر الگ ہو جانے والے کے درمیان انسانی فطرت لازماً فرق کرتی ہے۔ نہ ملنا تلخی، نفرت اور عداوت کو مستلزم نہیں ہے، مگر مل کر الگ ہو جانا قریب قریب سو فی صدی حالات میں ان جذبات کو مستلزم ہے۔ نہ ملنے والا مخالفت میں اتنا سرگرم نہیں ہوتا جس قدر مل کر الگ ہو جانے والا سرگرم ہوتا ہے۔ نہ ملنے والا کبھی اُن فتنوں کا موجب نہیں بن سکتا جن کا موجب مل کر الگ ہو جانے والا بنتا ہے۔ نہ ملنے والے کے ساتھ آپ تعاون، دوستی، معاملت اور اخلاقی و مادی اور معاشرتی تعلقات کے وہ رشتے قائم نہیں کرتے جو ملنے والے کے ملاپ پر اعتماد کر کے اس کے ساتھ قائم کرتے ہیں، اس لیے نہ ملنے والا کبھی اُن نقصانات کا سبب نہیں بن سکتا جن کا موجب مل کر الگ ہو جانے والا بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان نہ ملنے والوں کی بہ نسبت اُن لوگوں کے ساتھ فطرۃً بالکل دوسری ہی قسم کا برتاؤ کرتا ہے جو مل کر الگ ہو جاتے ہیں۔ انفرادی زندگی میں اتصال کے بعد افتراق کا نتیجہ محدود ہوتا ہے اس لیے عموماً کشیدگی تک پہنچ کر رہ جاتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں یہ چیز زیادہ بڑے پیمانے پر نقصان کی موجب ہوتی ہے اس لیے فرد کے خلاف جماعت کی کارروائی بھی زیادہ سخت ہوتی ہے اور جہاں الگ ہونے والا کوئی فرد واحد نہیں بلکہ کوئی بڑا گروہ ہوتا ہے وہاں نقصان کا پیمانہ بہت بڑھ جاتا ہے اس لیے اس کا نتیجہ لازماً جنگ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

جو لوگ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ کافر اور مرتد کے ساتھ اسلام دو مختلف رویے کیوں اختیار کرتا ہے، انھیں تنا

معلوم نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی اجتماعی نظام ایسا نہیں ہے جو اپنے اندر شامل نہ ہونے والوں اور شامل ہو کر الگ ہو جانے والوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتا ہو۔ الگ ہونے والوں کو اکثر کسی نہ کسی نوعیت کی سزا ضرور دی جاتی ہے اور بارہا اُن کو واپس آنے پر مجبور بھی کیا جاتا ہے۔ خصوصاً جو نظام جتنی زیادہ اہم اجتماعی ذمہ داریوں کا حامل ہو اس کا رویہ اس معاملہ میں اتنا ہی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فوج کو لیجیے۔ قریب قریب تمام دنیا کے فوجی قوانین میں یہ بات مشترک ہے کہ فوجی ملازمت اختیار کرنے پر تو کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا مگر جو شخص باختیار خود فوجی ملازمت میں داخل ہو چکا ہو اسے ملازمت میں رہنے پر لازماً مجبور کیا جاتا ہے۔ وہ استعفا دے تو نا قابل قبول ہے، خود چھوڑ جائے تو مجرم ہے، جنگ کی عملی خدمت (Active service) سے فرار ہو تو سزائے موت کا مستحق ہے، عام فوجی خدمات سے بھاگے تو حبس دوام تک کی سزا پا سکتا ہے، اور جو کوئی اس بھاگنے والے کو پناہ دے یا اس کے جرم پر پردہ ڈالے تو وہ بھی مجرم ٹھیرتا ہے۔ یہی طرزِ عمل انقلابی پارٹیاں اختیار کرتی ہیں۔ وہ بھی کسی کو اپنے اندر شامل ہونے پر مجبور نہیں کرتیں مگر جو شامل ہو کر الگ ہو جائے اسے گولی مار دیتی ہیں۔

یہ معاملہ تو فرد اور جماعت کے درمیان ہے۔ اور جہاں جماعت اور جماعت کے درمیان یہ صورت پیش آتی ہے وہاں اس سے زیادہ شدید معاملہ کیا جاتا ہے۔ وفاق (Federation) اور تحالف (Confederacy) کے متعلق اکثر آپ نے سنا ہوگا کہ جو ریاستیں اس قسم کے اتحاد میں شریک ہوتی ہیں ان کو شریک ہونے یا نہ ہونے کا اختیار تو دیا جاتا ہے مگر شریک ہو چکنے کے بعد الگ ہو جانے کا دروازہ از روئے دستور بند کر دیا جاتا ہے۔ اور جہاں دستور میں اس قسم کی کوئی تصریح نہیں ہوتی وہاں بھی علیحدگی کے حق کا استعمال اکثر جنگ تک نوبت پہنچا دیتا ہے۔ انیسویں صدی میں دو لڑائیاں اسی مسئلہ پر ہو چکی ہیں۔ پہلی لڑائی سوئٹزرلینڈ میں ہوئی جبکہ ۱۸۴۷ء میں سات رومن کیتھولک ریاستوں نے کانفیڈریسی سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس پر کانفیڈریسی کے باقی شرکاء ان الگ ہونے والی ریاستوں سے برسرِ پیکار ہو گئے اور انھوں نے لڑ کر انھیں مجبور کیا کہ پھر ان کی وفاقی ریاست میں شامل ہو جائیں۔ دوسری لڑائی امریکہ کی خانہ جنگی (American civil war) کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۸۶۰ء میں ممالک متحدہ امریکہ کے اتحاد سے سات ریاستیں الگ ہو گئیں اور انھوں نے اپنا علیحدہ

(باقی مضمون صفحہ ۷۰۸ پر درج ہے)

(بقیہ مضمون صفحہ ۴۸)

تحالف قائم کرلیا۔ بعد میں چار مزید ریاستیں الگ ہوکر اس جتھے میں آملیں۔ ان چھ ریاستوں کی رائے عام یہ تھی کہ اصولاً ہر ریاست کو الگ ہوجانے کا حق حاصل ہے اور وفاقی حکومت کو یہ حق نہیں ہے کہ انھیں زبردستی ممالک متحدہ کے وفاق میں واپس آنے پر مجبور کرے۔ لیکن اس کے باوجود ۱۸۶۱ء میں وفاقی حکومت نے ان ریاستوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور تین چار سال کی شدید خونریزی کے بعد انھیں پھر اتحاد میں شریک ہونے پر مجبور کردیا۔

افتراق بعد اتصال کے خلاف بالعموم تمام اجتماعی نظام اور بالخصوص سیاسی و فوجی نوعیت کے نظام یہ سخت کارروائی جو کرتے ہیں اس کے حق میں قوی ترین دلیل یہ ہے کہ جماعتی نظم اپنی کامیابی کے لیے فطرۃً استحکام کا مقتضی ہوتا ہے اور یہ استحکام سراسر اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ جماعتی نظم جن عناصر کے ملاپ سے وجود میں آئے ان کے ملاپ پر زیادہ سے زیادہ اعتماد کیا جاسکتا ہو۔ ایسے ناقابل اعتماد، متزلزل اور انتشار پذیر عناصر کا اتصال جن کے ملے رہنے پر بھروسہ نہ کیا جاسکے اور جن کے ثابت قدم رہنے کا تیقن نہ ہو، کبھی کوئی صحیح قسم کی جماعتی زندگی پیدا نہیں کرسکتا۔ خصوصاً جو اجتماعی ادارہ تمدن کی اہم خدمات کا بار اٹھانے والا ہو وہ تو کبھی اس خطرے کو مول لینے پر آمادہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کی ترکیب ایسے اجزا سے ہو جو ہر وقت پارہ پارہ ہوسکتے ہوں۔ انتشار پذیر اینٹوں اور پتھروں سے بنی ہوئی عمارت ویسے بھی انسانی سکونت کے لیے کوئی قابل اطمینان چیز نہیں ہوتی کجا کہ ایک قلعہ جس پر ایک پورے ملک کے امن کا انحصار ہو ایسے بکھر جانے والے اجزا سے بنا ڈالا جائے۔ تفریحی انجمنیں جن کی حیثیت بچوں کے گھروندوں سے زیادہ نہ ہو، افراد کی آزادی کو اپنے جماعتی وجود کے مقابلہ میں ضرور ترجیح دے سکتی ہیں، لیکن کسی طرح جماعتی مقصد کے لیے جان جوکھوں کا کھیل کھیلنے والے ادارے اس کے لیے کبھی تیار نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا ریاست، اور فوج اور وہ پارٹیاں جو سنجیدگی کے ساتھ کسی اہم اجتماعی نصب العین کی خدمت کا پرخطر کام کرنے کے لیے بنی ہوں، اور اسی نوعیت کے دوسرے نظام اس امر پر قطعی مجبور ہیں کہ واپس جانے والوں کے لیے اپنے دروازے بند کردیں اور اپنے اجزائے ترکیبی کو منتشر ہونے سے باز رکھیں۔ مستحکم اور قابل اعتماد اجزاء حاصل کرنے کا اس سے زیادہ کامیاب ذریعہ اور کوئی نہیں ہے کہ آنے والے کو پہلے ہی آگاہ کردیا جائے کہ یہاں سے جانے کا نتیجہ موت ہے کیونکہ اس طرح کمزور قوتِ فیصلہ رکھنے والے لوگ خود ہی اندر

آنے سے باز رہیں گے۔ اور علیٰ ہذا موجودہ اجزاء کو بکھرنے سے باز رکھنے کا بھی قوی ترین ذریعہ یہی ہے کہ جو اجزاء بکھرنے پر اصرار کریں انھیں کچل ڈالا جائے تاکہ جہاں جہاں علیحدگی کے میلانات پرورش پا رہے ہوں وہاں ان کا خود بخود قلع قمع ہو جائے۔

البتہ یہاں اس حقیقت کو پھر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جماعتی نظم کے لیے اس تدبیر کو صحیح قرار دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر جماعتی نظم کے لیے اس تدبیر کا استعمال برحق ہے قطع نظر اس سے کہ وہ بجائے خود صالح ہو یا فاسد۔ یہ چیز حق صرف اس جماعتی نظم کے لیے ہے جو اپنی ذات میں صالح ہو۔ رہا ایک فاسد نظام، تو جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، اس کا وجود بجائے خود ایک ظلم ہے اور اگر وہ اپنے اجزاء کو سمٹائے رکھنے کے لیے جابرانہ قوت استعمال کرے تو یہ اس سے زیادہ بڑا ظلم ہے۔

(باقی)

نایاب تاریخی کتب اور ان کی قیمتوں میں زبردست رعایت

عہدِ حکومت۔ سلطنتِ عثمانیہ کی مکمل تاریخ اور منصب خلافت پر مدلل بحث۔ اصلی قیمت ع۸ رعایتی ۱۲ر۔ **حالات وسط عرب و نجد**۔ اصلی قیمت عہ۔ رعایتی ۱۲ر۔ **مصر و انگلستان**۔ لارڈ ملنر کی کتاب کا اردو ترجمہ۔ مصر پر انگریزی قبضہ کے اسباب و بواعث پر مفصل بحث۔ کاغذ قدرے بوسیدہ۔ اصلی قیمت ع۸ رعایتی عہ ر مجلد۔ **محمد علی پاشا**۔ مصر کے خاندان خدیویہ کے بانی اور اول خدیو محمد علی پاشا کی دلچسپ سوانح حیات۔ ایک عربی ناول کا اردو ترجمہ۔ اصلی قیمت ع۸۔ رعایتی عہ ر۔ **رموز حقانیہ فی شرح جفر جامع**۔ علم جفر پر بہترین تصنیف۔ رعایتی قیمت عہ۔ مجلد۔ **محاربات پلیونا**۔ ترکی کے نامور جرنیل غازی عثمان پاشا کے کارناموں کی دلچسپ داستان۔ تین جلدوں میں۔ رعایتی قیمت عہ ر۔ **عمر پاشا، فاتح کریمیا**۔ جنگ ڈینیوب و محاربہ کریمیا کی دلچسپ داستان۔ رینالڈس کے مشہور تاریخی اسلامی ناول کا اردو ترجمہ۔ چار جلدوں میں۔ رعایتی قیمت ع۸۔ **قومِ ترک**۔ رعایتی قیمت ۱ر۔ **حقانیت عقائد اسلامیہ تزیین الکلام**۔ شام کے مشہور عالم کی تصنیف کا اردو ترجمہ۔ رعایتی قیمت مجلد ۱۲ر۔ کاغذ قدرے بوسیدہ۔ **ترکی کا جگذار ریاستیں** سلطنتِ عثمانیہ کی تاریخ۔ رعایتی قیمت ۶ر۔ **تزک تیموری**۔ اردو۔ قیمت عہ ر۔ **روزنامہ سیاحت بلاد اسلامیہ**۔ اصلی قیمت سے ر۔ رعایتی عہ ر۔ **حسن و زبیدہ**۔ سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس اور رچرڈ کے معرکوں کا بیان۔ قیمت ۶ر

(ضروری نوٹ) پانچ روپیہ سے کم آرڈر کی تعمیل نہیں کی جائے گی۔ فہرست کتب ختم ہو چکی ہے اس لیے طلب نہ فرمائیں۔

المشتہر

منیجر اورینٹل بک ڈپو۔ ڈاک خانہ وطن۔ لاہور